

## احمد ندیم قاسمی (غزل نمبر 2)

(بورڈ 2010-2009)

شعر نمبر 1:

اب تو کچھ اور ہی، اعجاز دکھایا جائے  
شام کے بعد بھی سورج، نہ بجھایا جائے

تشریح: احمد شاہ المعروف احمد ندیم قاسمی اردو کے مشہور شاعر اور نثر نگار تھے۔ نکتہ آفرینی اور آفاقیت ان کی شاعری کا خاصہ ہے۔ غم عشق غم زمانہ اور آفاقی موضوعات پر مبنی ندیم کے اشعار زندگی کی حقیقتوں کے ترجمان بھی ہیں اور الجھنوں کے عکاس بھی۔

زیر تشریح شعر میں ندیم کہتے ہیں کہ ”کچھ ایسی کوشش ہونی چاہیے کہ شام ہونے کے بعد بھی روشنی برقرار رہے۔“

سورج، زندگی، توانائی اور روشنی کا مظہر ہے اور یہی چیزیں زندگی کی سرگرمیوں کو برقرار رکھنے کی ضامن بھی ہیں۔ سورج کا ڈوبنا اور تاریکی کا چھا جانا زندگی کی سرگرمیوں کے معطل ہونے کا نام ہے۔ احمد ندیم قاسمی کا موقف یہ ہے کہ زندگی ایک تسلسل کا نام ہے اور یہ تسلسل اسی وقت برقرار رہ سکتا ہے جب دن اور رات کا امتیاز یا حد بندی ختم کر دی جائے۔ شاعری میں سورج نیکی، بھلائی، عدل و انصاف اور مساوات کی علامت ہے۔ اس کے برعکس رات یا ظلمت نا انصافی، جبر، ظلم، جہالت اور غربت و افلاس کی علامت ہے۔ ترقی پسند شاعری میں رات کے اس اندھیرے کو دور کرنے کی خواہش اور ”سورج، صبح، اُجالے“ کی تلاش کی ہمیں مختلف شاعروں کے ہاں نظر آتی ہے۔ حبیب جالب کا کہنا ہے۔

اپنی تو اُجالے کو ترستی ہیں نگاہیں  
سورج کہاں نکلا ہے؟ کہاں صبح ہوئی ہے؟

احمد ندیم قاسمی کا موقف یہ ہے کہ اب کسی بھی صورت میں معاشرہ اندھیرے کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ وہ ساری قوتیں جو جبر کی بنیاد پر، لالچ کی بنیاد پر لوگوں کا استحصال کر رہی ہیں۔ انھیں ہر قیمت پر مٹا دینا چاہیے۔ اس کے بغیر معاشرے کی بہتری کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس جدوجہد میں چاہے جان رہے یا چلی جائے اس کی پروا نہیں لیکن کسی بھی صورت میں اب سورج کو بجھنے نہ دیا جائے۔ احمد ندیم قاسمی نے اپنے ایک اور شعر میں اسی خواہش کا اظہار کچھ یوں کیا ہے:

میری ضد کون کرے گا پوری  
شام کو صبح کا تارا چاہوں

آج کے انسان نے چاند پر قدم رکھ لیا ہے، ہواؤں میں اڑنا سیکھ لیا ہے، بڑی بڑی عمارتیں بنالی ہیں، انسان مہینوں کا سفر گھنٹوں میں طے کرنے لگا ہے، دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے میں لمحے بھر میں پیغام رسانی کرنے لگا ہے۔ غرض آج کے انسان نے کئی ایسی ترقیاں حاصل کی ہیں جو قدیم دور کے انسان کے لیے کسی معجزے سے کم نہیں تھیں۔ لیکن انسان یہ تمام تر ترقیاں حاصل کرنے کے باوجود جہالت، ظلم و نا انصافی، معاشرتی برائیوں اور معاشی استحصال جیسی تاریکیوں اور اندھیروں میں گھرا ہوا ہے۔ کاش کوئی ایسا معجزہ رونما ہو کہ انسان اپنی زندگی کی ان تاریکیوں سے نجات حاصل کر لے۔ اقبالؒ کا کہنا ہے:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا  
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا  
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا  
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا



## شعر نمبر 2:

نئے انسان سے تعارف جو ہوا، تو بولا  
میں ہوں سقراط، مجھے زہر پلایا جائے

**تشریح:** احمد شاہ المعروف احمد ندیم قاسمی اردو کے مشہور شاعر اور نثر نگار تھے۔ نکتہ آفرینی اور آفاقیت ان کی شاعری کا خاصہ ہے۔ غم عشق غم زمانہ اور آفاقی موضوعات پر مبنی ندیم کے اشعار زندگی کی حقیقتوں کے ترجمان بھی ہیں اور الجھنوں کے عکاس بھی۔

زیر تشریح شعر میں ندیم کہتے ہیں کہ ”آج کے انسان سے جب میرا تعارف ہوا تو اس نے یہ کہا کہ میری مثال سقراط کی مانند ہے بے شک مجھے بھی زہر کا پیالہ پلادیا جائے۔“

سقراط یونان کی ریاست ایتھنز کا رہنے والا تھا۔ یونانی فلسفے میں سقراط نے استخراجی طریقہ کار متعارف کرایا۔ اس نے اپنے طریقہ کار کی بنیاد پر اپنا وہ شہرہ آفاق بیان دیا کہ ”میں بس اتنا جانتا ہوں کہ میں کچھ نہیں جانتا۔“ سقراط اپنی بے باکی کے حوالے سے ضرب المثل کا درجہ رکھتا تھا اور اسی لیے اسے سزائے موت بھی دی گئی۔ سقراط کے دور کا بادشاہ جسے موت کی سزا دیتا تھا اُسے زہر کا پیالہ پینا پڑتا تھا۔ جب سقراط کو موت کی سزا ہوئی تو اس کے شاگردوں نے کوشش کی کہ اسے قید خانے سے فرار کیا جائے۔ لیکن سقراط نے بھاگنے سے انکار کر دیا اور خوشی خوشی زہر کا پیالہ پینے کو تیار ہو گیا۔ احمد ندیم قاسمی کا موقف یہ ہے کہ آج کا انسان بھی سقراط کی طرح نڈر و بے باک ہے۔ نئے عہد کے انسان کو سقراط کی مانند قرار دینے کا مقصد یہ ہے کہ آج کا انسان حقیقت سے بھاگنے کا قائل نہیں اور حق گوئی کی خاطر اسے اگر اپنی جان بھی دینا پڑے تو وہ اس سے بھی گریز نہیں کرتا۔ ساحر لدھیانوی کا کہنا ہے:

ہم ہیں سقراط عہد نو کے، تشنہ لب ہی نہ مر جائیں یارو  
زہر ہو یا مہ آتشیں ہو، کوئی جام شہادت تو آئے

انسانی تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ جب بھی کسی نے حق اور صداقت کی آواز بلند کی تو اُسے باطل قوتوں کی جانب سے کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور یہاں تک کہ اُسے اپنے نظریات کی پاداش میں زندگی سے بھی محروم ہونا پڑا۔ حق کی آواز بلند کرنے کی پاداش میں باطل قوتوں نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا، حضرت زکریا علیہ السلام کا بدن آرے سے دو ٹکڑے کر دیا، اُن کے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ذبح کیا، حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر اہل بیت کو میدانِ کربلا میں شہید کیا اور منصور کو تختہ دار پر لٹکا دیا۔ غرض تاریخ میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ حق کی بات کرنے والوں کو بالآخر باطل قوتوں کے ہاتھوں تختہ دار تک پہنچا پڑا۔ آتش کا کہنا ہے:

واقعہ منصور کا سن کر کھلا ہم پہ یہ راز  
حق کہے سے آدمی ہوتا ہے قابلِ دار کے

احمد ندیم قاسمی کا تعلق ترقی پسند تحریک سے رہا۔ شاعری کے ساتھ ساتھ آپ صحافت سے بھی وابستہ رہے اور دوسرے کئی ترقی پسند دانشوروں کی طرح آپ کو بھی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ ہر وہ انسان جو حقیقت کا پورا ادراک رکھتا ہو، جسے اپنے موقف کی سچائی کا یقین ہو وہ بڑی سے بڑی مصیبت کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ اپنے نظریے اور حق بات پر جان کی بازی لگانے سے گریز نہیں کرتا اور وہ ہر وقت اپنے موقف پر سرکھوانے کے لیے تیار رہتا ہے۔ حبیب جالب کا کہنا ہے:

میں بھی منصور ہوں، میں بھی منصور ہوں

کاٹ دو میرا سر، کاٹ دو میرا سر



”شعر تلمیح کی مثال ہے۔“

شعر نمبر 3:

موت سے کس کو مفر ہے، مگر انسانوں کو  
پہلے جینے کا سلیقہ، تو سکھایا جائے

تشریح: احمد شاہ المعروف احمد ندیم قاسمی اردو کے مشہور شاعر اور نثر نگار تھے۔ نکتہ آفرینی اور آفاقیت ان کی شاعری کا خاصہ ہے۔ غم عشق غم زمانہ اور آفاقی موضوعات پر مبنی ندیم کے اشعار زندگی کی حقیقتوں کے ترجمان بھی ہیں اور الجھنوں کے عکاس بھی۔  
زیر تشریح شعر میں ندیم کہتے ہیں کہ ”موت سے بھاگنا ممکن نہیں۔ یہ ایسی سچائی ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا لیکن اصل بات یہ ہے کہ لوگوں کو جینے کا سلیقہ آنا چاہیے۔“

زندگی اور موت دو متضاد حقیقتیں ہیں۔ تحریر و تقریر میں عام طور پر موت جیسی اٹل حقیقت کا تذکرہ اور اس کی تیاری کا درس کثرت سے دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس زندگی جیسی اہم حقیقت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ موت ایک اٹل حقیقت ہے اور ہر ذی روح کا آخری انجام یہی ہے کہ اُسے منوں مٹی تلے دفن ہونا ہے۔ موت ایک ایسی حقیقت ہے کہ چاہے مذہب ہو، چاہے ہمارا مشاہدہ اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ یہ وہ حقیقت ہے کہ جس سے فرار ممکن نہیں ہے۔ قرآن پاک میں صرف دو الفاظ میں انسانی بے بسی اور موت کے اس پہلو کا خوبصورت تذکرہ کیا ہے۔

این المفعولہ ”جائے فرار کہاں ہے؟“

ارشادِ بانی ہے: احمد ندیم قاسمی کا موقف یہ ہے کہ چون کہ موت سے کوئی نہیں بھاگ سکتا اس لیے میں موت سے بحث نہیں کرتا۔ میرا کہنا تو یہ ہے کہ انسانوں کو موت سے پہلے آنے والی حقیقت یعنی زندگی گزارنے کا سلیقہ اور طریقہ سکھانا چاہیے۔ موت چون کہ بعد میں ہے اس لیے اس کا تذکرہ بھی بعد میں ہو جائے گا۔ مگر فی الحال لوگ زندگی گزارنے کے سلیقہ سے محروم ہیں اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان کو پہلے زندگی گزارنے کا طریقہ سکھانا چاہیے۔ فراق کا کہنا ہے:

جینا جو آگیا تو اجل بھی حیات ہے  
اور یوں تو عمرِ خضر بھی کیا؟ بے ثبات ہے  
رو رو کے موت مانگنے والوں کو  
جینا نہیں آسکا تو مرنا کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کو امتحان قرار دیا۔ ارشادِ بانی ہے: ”جس نے زندگی اور موت پیدا کی تاکہ تمہیں آزمائے۔“ زندگی ایک امتحان ہے۔ وہ امتحان جس کا بوجھ اٹھانے سے پہاڑوں، زمینوں حتیٰ کہ آسمانوں نے بھی انکار دیا تھا۔ لہذا اصل چیز یہ ہے کہ زندگی کیسے گزاری جائے۔ دنیا کو آخرت کی کھیتی کہا گیا ہے کہ انسان جو کچھ بوتا ہے آخرت میں اسی کا پھل اسے ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اور آسمانی صحیفے اسی لیے نازل کیے کہ انسانوں کو زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا جائے بلکہ انسان کی تخلیق کے مقصد ہی میں اس کرہ ارض پر انسان کی زندگی گزارنے کے سلیقہ کا تعین کر دیا گیا۔ انسان کو اپنا جانشین بنا کر بھیجنا اسی بات کا متقاضی ہے کہ انسان اس کرہ ارض پر اس طرح زندگی گزارے جس طرح خدا چاہتا ہے۔ بے شمار دانش ور اپنے تجربات کی روشنی میں لوگوں کو زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھاتے رہے۔ اکبر الہ آبادی نے موت اور جینے کو اپنے ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے:

بے وقوفی ہے تعجب موت پر  
عقل تو جینے ہی پر حیراں ہے  
حکم ہے سچ بھی قرینے سے کہا جائے، ندیم  
زخم کو زخم نہیں، پھول بتایا جائے  
مفہوم: ہم سے توقع کی جاتی ہے کہ ہم زندگی کی تلخیوں کو خوش نما بنا کر پیش کریں جو کم از کم ہم سے نہیں ہو سکتا۔



# free ilm.